غالب اور مومن کا تقابلی مطالعہ

ڈاکٹر جاوید بادشاہ*

Abstract:
Ghalib and Momin both have a great and unique importance in Urdu poetry. Ghalib and Momin can be easily considered comparatively in the field of "Ghazal". Ghalib takes life with consciousness and with a deep awareness of the problems of mankind. Ghalib portrays the grief and torture in a confident way and never feels regrets. On the other hand in Momin, poetry relaxation, excitement and love are described in such a style which is stimulus for a specific period. Philosophical approach in Ghalib poetry has everlasting effects whereas in Momin poetry linguistic beauty and informal style inspires readers.

یہ ایک روشن حقیقت ہے کہ غالب اور مومن دونوں اُردو کے بلند پایہ شعراء میں شمار ہوتے ہیں۔لیکن اس بلندی اور فنکارانہ صلاحیتوں کے باوجود دونوں کی شاعری مختلف رنگ لئے ہوئے ہے۔اگرچہ بعض مضامین میں اُن کی طبیعت کی ہم آہنگی بھی پائی جاتی ہے۔

غالب آزادرُو۔لااُبالی۔زخم خوردہ اور دردمند تھا۔وہ غم والم کوشراب کی رنگینی سے دور کرنے کا خواہاں تھا۔ جبکہ مومن شاہ عبدالعزیز کا مرید،غالب! میروں کا ثناخواں اور مومن آبرواور وقار کا مجسمہ ظاہر ہے شخصیت کے اس فرق کا اثر لازمی طور پران کی شاعری پر بھی پڑا ہے۔دونوں کی شاعری کا تقابلی جائزہ لینے سے پہلے ہم ان کی شاعری سے متعلق لوازمات پر بھی بحث کرینگے۔پھر ہم اس مقام پر ہونگے کہ ان کا مقابلہ اور موازنہ کرسکیں۔

پہلے ہم غالب کو لیتے ہیں۔جب ہم غالب کے کلام پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ غالب زندگی کے اہم مسائل کے متعلق کس طرح سوچتے ہیں۔ہمیں احساس ہے کہ غالب ایک شعوری فنکار ہے۔ان کی آواز واقعی ایک شعوری فنکار کی آواز ہے۔عام فنکاروں سے وہ اس لئے بھی مختلف ہیں کہ اپنی تخلیقات میں وجدان کے ساتھ ذہن کی تمام قوتوں کو بھی شامل کر لیتے ہیں۔اس وجہ سے ان کی تخلیق اپنے اثر سے زیادہ ہمہ گیر ہوتی ہے۔ نقد غالب کے مصنف لکھتے ہیں۔

> ''نئی شاعری کا انسان پیچیدہ ومبہم اور اپنے زمانے کی لائی ہوئی مصیبتوں کا شکار ہے۔اس کی بنیاد کمزور ہے۔اور نئے زمانے نے اسے سوائے،احساس شکست

* صدر شعبۂ اُردو،اسلامیہ کالج یونیورسٹی،پشاور

کے کچھ نہیں دیا۔اس لئے نیا شاعر اپنے اندر وہ سکت نہیں پاتا کہ فضا میں دور
تک پرواز کر سکے غالب کی شخصیت بنیاد کے اعتبار سے مضبوط تھی اس لئے وہ
سارے آلام کو سہہ گئی۔'' [۱]

غالب نے زندگی پر گہری ڈالی ہے۔ان کے نزدیک زندگی سات خصوصیتوں پر مشتمل ہے۔

۱) وہ اختصار کو انسانی زندگی کی پہلی خصوصیت بتاتے ہیں۔

؎ یک نظر بیش نہیں فرصتِ ہستی غافل: گرمیٔ بزم ہے اک رقص شرر ہونے تک

۲) ان کے نزدیک زندگی کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ تعمیر و تخریب کے دونوں عنصر اس میں پائے جاتے ہیں۔

؎ میری تعمیر میں مضمر ہے اک صورت خرابی کی۔

۳) اپنے لئے نمود و آرائش کا آسامان مہیا کرنا تیسری خصوصیت ہے۔

؎ غافل بوہم خویش خود آرا ہے ورنہ یاں۔۔۔بے شانہ صبا نہیں طرّہ گیاہ کا

۴) غالب کے نزدیک چوتھی خصوصیت زندگی کی یہ ہے۔کہ ہر چیز کو اپنی زندگی سے محبت ہے۔وہ کہتے ہیں۔

مٹتا ہے فوتِ فرصتِ ہستی کا غم کہیں
عمر عزیز صرف عبادت ہی کیوں نہ ہو۔

۵) غالب کے نزدیک زندگی کی پانچویں خصوصیت اس کی ارتقا پذیری ہے۔اس کا اظہار وہ یوں کرتے ہیں۔

؎ آرائش جمال سے فارغ نہیں ہنوز۔۔پیشِ نظر ہے آئینہ دائم نقاب میں

۶) چھٹی خصوصیت ان کے نزدیک خوشی اور غم کا باہمی ربط ہے۔اور اس ربط کا ذکر وہ یوں کرتے ہیں۔

؎ شادی سے گزر کہ غم نہ ہوئے۔۔۔اُردی جو نہ ہو تو دے نہیں ہے۔.....؟

۷) زندگی کو وہ ایک دوامی حرکت میں مبتلا سمجھتے ہیں۔اگر چہ بقول مالک رام'' غالب اس نکتے کو سمجھتے تھے کہ چہرے مہرے کی طرح ہر شخص اپنا خاص مزاج اور مذاق بھی قدرت کی طرف سے لے کر آتا ہے ان میں کسی کو بھی بدلنے کی کوشش کرنا اسے مسخ کرنے کے مترادف ہے'' [۲]

ان کے نزدیک زندگی کی جولانیوں سے کوئی بھی واقف نہیں

؎ رو میں ہے رخشِ عمر کہاں دیکھیئے تھمے۔۔۔

نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رقاب میں

غالب صرف اثبات خودی کے قائل ہی نہیں بلکہ وہ تو اسے زندگی کا جوہر شمار کرتے ہیں۔ غالب کے نزدیک انسانی خودی کی تکمیل ہی اس کی ابدی مسرّت کا راز ہے۔ چنانچہ وہ اس تکمیل کیلئے عشق کو ضروری سمجھتے ہیں۔ وہ عشق کی اہمیت کو یوں بیان کرتے ہیں۔

؎ رونق ہستی ہے عشق خانہ ویراں ساز سے۔۔۔انجمن بے شمع ہے گر برق خرمن میں نہیں

غالب نے اپنے زمانے کی جماعتی قدروں کا اندازہ بھی کیا ہے اور ایسی جماعتی قدریں بھی پیش کی ہیں جو انسانی معاشرے کو بلند مقام پر پہنچا سکتی ہیں۔ غالب کے نزدیک سب سے زیادہ جماعتی قدر وسعت مشرب ہے۔ وہ وسیع المشربی کا ذکر یوں کرتے ہیں۔

؎ کعبہ میں جا رہا تو نہ دو طعنہ کیا کہیں۔۔۔۔۔۔بھولا ہوں حق صحبت اہل کنشت کو

؎ وفاداری بشرط استواری اصل ایمان ہے۔۔۔۔۔مرے بت خانہ میں تو کعبے میں گاڑو برہمن کو

غالب کے فکری ڈھانچے میں دوسری نمایاں جماعتی قدر ترک تقلید ہے۔

؎ فرسودہ رسم ہائے عزیزاں فرد گزار

گویا غالب کی آزادہ روی کسی حال میں بھی تقلید کی حامل نہیں۔ اس سلسلے میں انکا عام اصول یہ ہے۔

؎ لازم نہیں کہ خضر کی ہم پیروی کریں مانا کہ اک بزرگ ہمیں ہمسفر ملے

غالب چیرہ دستوں کے غاصب ہاتھوں میں دولت جمع ہونے کے خلاف ہیں۔ وہ کہتے ہیں۔

؎ غارت گرِ ناموس نہ ہو گر ہوس زر کیوں شاہد گل باغ سے بازار میں آوے

غالب کے خیال میں فرد کی عزت اسی میں ہے کہ دامن ملت سے وابستہ رہے

؎ ہم موحد ہیں ہمارا کیش ہے ترک رسوم ملّتیں جب مٹ گئیں اجزائے ایماں ہو گئیں

ہم کہہ سکتے ہیں کہ جماعتی زندگی کے عوامل پر مرزا غالب گہری نگاہ رکھتے تھے۔ اور ان میں سے بعض کو بڑی بصیرت کے ساتھ پیش کیا ہے۔

غالب اظہار کی بلندیوں سے روز اول ہی سے واقف تھے۔ غالب نے فکر اور جذبے کی آنچ کو اپنے فن میں مربوط کر لیا ہے۔ شعر کی مضمون بندی اور جدّت اظہار کا انوکھا پن ملاحظہ ہو۔

؎ مر جاؤں نہ کیوں رشک سے جب وہ تن نازک آغوشِ خمِ حلقہ زنّار میں آوے

غالب کے یہاں رمزیت کا رنگ بھی موجود ہے۔ اور وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ رنگ پختہ ہوتا گیا۔ دام شنیدن، موجِ نگاہ، محشر خیال، جنت نگاہ، فردوس گوش، آئینہ باد بہاری اور خمار رسوم وغیرہ ایسی تراکیب رمزی اظہار کی وجہ سے ایجاد کی گئیں۔ اور اسی رمزی تکنیک کے سہارے انہوں نے احساس کی واقعیت، نفسیاتی واقعیت اور روحانی واقعیت کو اُجاگر گیا ہے۔ غالب کی شاعری میں ان گنت صدمات کیوجہ سے رقت کا عنصر بھی شامل ہو گیا ہے۔

اور اس وجہ سے ان کے شعر میں حسرت آمیز بے باکی پائی جاتی ہے ؎

کوئی اُمید بر نہیں آتی ، کوئی صورت نظر نہیں آتی

موت کا ایک دن معین ہے نیند کیوں رات بھر نہیں آتی

غالب کی شاعری کا ایک گراں قدر حوالہ فارسی زبان میں موجود ہے جسکی تفصیلی بحث کا محل نہیں تاہم اس سلسلے میں اس اقتباس پر اکتفا کیا جاتا ہے تا کہ یہ پہلو تاریکی میں نہ رہے ''جسے غالب نے زور بیان اور فارسی گوئی کے نشہ میں بیرنگ کہہ دیا تھا اس کی رنگا رنگی نے ایک عالم کو مسحور کر رکھا ہے۔ مضامین نو کا جو انبار غالب نے فارسی غزلوں میں لگا دیا ہے اردو میں ان کا وہ ہجوم نہیں ملے گا۔'' [۳]

غالب کی شاعرانہ بحث کے بعد اب ہم مومن کی شاعری پر ایک طائرانہ نظر ڈالیں گے۔

مومن ایک قادرالکلام شاعر تھے۔ وہ غزل کی فضا میں پیدا ہوئے۔ اور غزل کی روایت ہی میں ان کی نشوونما ہوئی۔ غزل کی روایت کو انہوں نے بڑی خوش اسلوبی سے برتا اور اپنے تجربات سے اس روایت میں بعض ایسے اضافے بھی کئے جو انہیں سے مخصوص ہیں۔ ان تجربات میں ان کی رومانیت کے ساتھ ملی جلی واقعیت پسندی اور اظہار کی پہلو دار کیفیت کے مختلف روپ اہمیت کے ساتھ جلوہ گر ہیں۔ بقول کلب علی خان، فائق رائکپوری ''مومن خان مومن ایک مغزز ذی علم خاندان کے نہایت غیور مستغنی المزاج نازک خیال شاعر تھے۔ طباعی اور ذکاوت کا جوہر خداداد تھا۔ اصناف سخن میں یکساں کمال دکھایا ہے۔'' [۴]

تاہم مومن کی غزل میں موضوعات اور مضامین کے اعتبار سے تنوع نہیں۔ اسمیں تو صرف حسن وعشق اور اس کے مختلف پہلوؤں کی ترجمانی ہے اور اس ترجمانی میں کسی فکری گہرائی کا احساس نہیں ہوتا۔ مومن کی انفرادیت کا راز یہ ہے کہ انہوں نے ایسے موضوعات کو جو عاشقانہ زندگی میں بہت عام ہیں اور جنکو ہر شاعر ہر دور میں اپنی غزلوں میں پیش کرتا رہا ہے ایسی وسعتیں دی ہیں اور ان میں ایسی گہرائیاں پیدا کی ہیں کہ ان کی انفرادیت کا قائل ہونا پڑتا ہے۔

مومن جذبات کے بڑے نباض ہیں۔اور عشقیہ جذبات کے تمام پہلوؤں کا شدید احساس رکھتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ جذبات کی دنیا میں جو کچھ بھی ہوسکتا ہے۔اس کی تفصیل مومن کے یہاں ملتی ہے۔

مومن کی غزل میں روایت کی پاسداری ملتی ہے اور اس روایت کا رنگ بھی ان کے یہاں رچا ہوا نظر آتا ہے لیکن اس میں وہ انفعالیت پسندی نظر نہیں آتی جو غزل کی روایت میں عام رہی ہے۔مومن کی غزلوں میں غم نہیں ہے البتہ غم کا احساس اور اس کا عرفان ضرور ہے۔لیکن اس غم کا تجربہ انہیں کم ہوا ہے۔ان کی غزلیں زندگی کے حسن اور اس کے نشاط سے تعلق رکھتی ہیں۔یہی وجہ ہے کہ ان میں یاسیت یا قنوطیّت نام کو نہیں ہے۔ان کی غزلیں زندہ رہنے کا درس دیتی ہیں اور محبوب کو ایک منبع نور اور سرچشمہ کیف وسرور بنا کر پیش کرتی ہیں۔

مومن کے مخصوص مزاج،مخصوص افتادِ طبع،مخصوص ذہنی رجحانات اور مخصوص جذباتی میلانات کی صحیح تصویریں ان کی غزلوں میں دکھائی دیتی ہیں۔مومن محسوسات کے شاعر ہیں لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان کی غزل عشق و عاشقی کہ گہری واردات وعمیق کیفیات سے خالی ہے۔اس میں انسانی زندگی کے ان ارفع لمحات کی ترجمانی بھی ملتی ہے جو اس کو عشق کی انتہائی بلندیوں سے ہمکنار کر دیتے ہیں۔یہ چند اشعار اس صفت کے صحیح ترجمان اور عکاس ہیں۔

؎ مت پوچھ کہ کس واسطے چپ لگ گئی ظالم بس کیا کہوں میں، کیا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

تم ہمارے کسی طرح نہ ہوئے ورنہ دنیا میں کیا نہیں ہوتا

کیا کروں اللہ سب ہیں بے اثر ولولہ کیا، نالہ کیا، فریاد کیا

ٹکٹکی لگائی ہے اب تو گو ہو رسوائی وہ اگر ادھر دیکھیں مجھ کو دیکھتا دیکھیں

ہوگئی دو روز کی الفت میں کیا حالت ابھی مومن وحشی کو دیکھا اس طرف سے جائے تھا

مذہبیت۔دینداری، زمانے کا غم، اپنی عظمتوں کے مٹنے کا احساس، پرانی اقدار کے فنا ہو جانے کا ملال، پامال اور پابہ زنجیر ہونے کا خیال، ایک عالم کسمپرسی اور بے بسی سے باہر نکلنے کی خواہش، انقلاب کی تمنا، کچھ کرنیکی آرزو یہ تمام باتیں بھی جگہ جگہ ان کی غزلوں میں موجود ہیں۔اس رجحان کے اشعار ملاحظہ ہوں۔

؎ کچھ قفس میں ان دنوں لگتا ہے جی آشیاں اپنا ہوا برباد کیا

؎ اس لیل ونہار غم نے مارا ہے روز سیہ سیاہ تر رات

؎ پامال ہم نہ ہوتے فقط جو چرخ سے آئی ہماری جان پہ آفت کئی طرح

؎ ڈرتا ہوں آسماں سے بجلی نہ گر پڑے صیّاد کی نگاہ سوئے آسماں نہیں

؎ اے حشر جلد کر تہہ و بالا جہان کو گر کچھ نہیں اُمید تو ہے انقلاب میں

اب ہم غالب اور مومن دونوں کے کلام کا تفصیلی جائزہ لیتے ہیں۔

غالب کی ایک مشہور غزل کا مصرع ہے۔

؎ مجھ پر جفا سے ترک وفا کا گماں نہیں اک چھیڑ ہے وگرنہ، مراد امتحاں نہیں

غالب نے نہایت پاکیزہ مطلع کہا ہے۔یعنی معشوق مجھ پر امتحان لینے کیلئے جفا نہیں کرتا اور نہ اس کو خیال ہے کہ جفا کرنے سے میں وفا چھوڑ دونگا بلکہ مقصود صرف ایک چھیڑ کا جاری رکھنا ہے۔عاشق کی روسیاہی کا اس سے زیادہ ثبوت اور کیا ہوسکتا ہے کہ جفا بھی سہتا ہے تو اُس میں بھی اُس کو اُمید کی کوئی کرن دکھائی نہیں دیتی۔اسی سلسلے کے احساسات اور جذبات کو حکیم مومن خان نے یوں بیان کیا ہے۔

؎ کرتے وفا اُمید وفا پر تمام عمر پر کیا کریں کہ اس کو سرِ امتحاں نہیں

مضمون میں تقریباً یکسانیت ہے۔فرق یہ ہے کہ غالب کہتا ہے کہ وہ جفا کرتا ہے مگر امتحان کیلئے نہیں کرتا جبکہ مومن کہتے ہیں کہ جفا کرتا ہی نہیں ورنہ ہم عمر بھر اس سے وفا کئے جاتے۔

غالب کا ایک اور شعر ہے۔

؎ ہم کو ستم عزیز ستمگر کو ہم عزیز نا مہرباں نہیں ہے اگر مہرباں نہیں

مندرجہ بالا شعر میں غالب نے اپنے اور محبوب کے درمیان رابطہ اتحاد فی مابین کی صورت کو اُجاگر کیا ہے۔ غالب کے اس شعر میں ایک عجیب منطقی استدلال پایا جاتا ہے۔اور یہی استدلال مرزا کے خاص رنگ کو نمایاں کرتا ہے۔اس شعر میں غالب کے منطقی رنگ کے ساتھ ساتھ تغزّل کا رنگ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔اور اس رنگ میں مومن خان کا شعر ملاحظہ ہو۔

؎ اظہار دوستی کی خوشی کیا شب وصال دشمن سے سن چکا ہوں کہ تو مہربان نہیں

مومن کے استدلال کا رنگ بھی غالب کی طرح ہے۔

؎ پاتا ہوں اس سے داد کچھ اپنے کلام کی روح القدس اگرچہ مرا ہم زبان نہیں

(غالب)

غالب کے اس شعر میں شاعرانہ تعلّی کے سوا کچھ نہیں۔جبکہ مومن اسی قافیہ میں تغزّل کی شان میں یوں گویا ہیں۔

؎ پیش عدو سمجھ کے ذرا حال پوچھنا قابو میں دل نہیں مرے کہ بس میں زبان نہیں

غالب نے شوخی کا انداز قائم رکھتے ہوئے تغزل کی حد کو بھی برقرار رکھا ہے۔اور نہایت عمدگی سے پیش کیا ہے ملاحظہ ہو۔

؎ نقصان نہیں جنون میں بلا سے ہو گھر خراب سو گز زمیں کے بدلے بیاباں گراں نہیں

جبکہ اسی انداز کے شعر میں مومن نے ناصحانہ رنگ پیش کیا ہے۔

؎ اتنے سبک نظر میں ہیں اوضاع روزگار دُنیا کی حسرتیں مرے دل پر گراں نہیں

تاب وتواں میں غالب کی قافیہ پیمائی ملاحظہ ہو۔

؎ ہر چند جاں گدازی قہر وعتاب ہے ہر چند پشت گرمئی تاب وتواں نہیں

یعنی اگر چہ ظلم کی زیادتی ہے اور جان بھی ناتواں ہے۔مگر پھر بھی ستم کا خواہشمند ہوں۔غالب کے اس شعر میں الفاظ کی شوکت واضح ہے۔جبکہ غالب کے مقابلے میں اسی مضمون میں مومن نے تغزل کا رنگ پیدا کیا ہے۔

مومن کہتے ہیں ۔

؎ ہر ذرّہ میری خاک کا برباد ہو چکا بس اے خرام ناز کہ تاب وتواں نہیں

دونوں شعراء کی ایک ہم قافیہ غزل کے یہ شعر ملاحظہ ہوں۔غالب کہتے ہیں:

؎ ملتی ہے خوئے یار سے نار التہاب میں کافر ہوں گر نہ ملتی ہو راحت عذاب میں

یعنی آگ جب ملتہب ہوتی ہے تو مجھ کو اپنے محبوب کی آتش خوئی یاد آتی ہے اور اس لئے اس عذاب میں ایک راحت محسوس ہوتی ہے۔مرزا نے اس شعر میں ''کافر ہوں'' کا ٹکڑا نہایت سوچ سمجھ کر استعمال کیا ہے۔

جس سے وسعت معنی بڑھ گئی ہے جبکہ کچھ ثقیل الفاظ مثلاً نار اور التہاب بھی استعمال کئے ہیں۔

اسی مضمون میں مومن نے ایسی طبع آزمائی کی ہے۔

؎ جلتا ہوں ہجر شاہد ویاد شراب میں شوق ثواب نے مجھے ڈالا عذاب میں

مندرجہ بالا شعر میں مومن نے دوسرے مصرع میں نہایت صفائی کے ساتھ اپنے موقف کو واضح کیا ہے جبکہ جلتا ہوں کے ایہام نے شعر کے معنی میں بہت زیادہ مدد کی ہے۔

غالب کی شاعری مضمون آفرینی کیلئے تخلیق ہوئی تھی اور یہ مضمون آفرینی مندرجہ ذیل شعر میں ملاحظہ ہو۔

؎ تا پھر نہ انتظار میں نیند آئے عمر بھر آنے کا عہد کر گئے آئے جو خواب میں

اس شعر میں غالب نے معشوق کی جفا کی وفا کی صورت میں اور اپنی کامیابی کو ناکامی کی صورت میں بیان کیا ہے۔

یہ شعر بہت بے مثل ہے۔اس مضمون میں مومن خان نے بھی طبع آزمائی کی ہے ملاحظہ ہو۔

؎ تیری جفا نہ ہو تو بنے دشمنوں سے امن بدمست غیر محو دل، اور بخت خواب میں

اگر چہ مومن کا رنگ بھی شگفتگی اور تغزل سے عبارت ہے لیکن ان کے یہاں مضمون آفرینی کی وہ فضا اس شعر میں موجود نہیں جو غالب کے مندرجہ بالا شعر میں واضح صورت کے ساتھ جلوہ گر ہے۔تاہم ہر دو شعراء کی یکسانی مضمون ان کے فکر و تخیّل میں کچھ مدہم مدہم سی ہم آہنگی پر دلالت کرتی ہے۔لیکن ایک دو اشعار میں یہ یکسانی پورے کلام پر صادر نہیں آسکتی۔

غالب قاصد، محبوب اور اپنے آپ کے بارے میں یوں لکھتے ہیں۔

؎ قاصد کے آتے آتے خط اِک اور لکھ رکھوں میں جانتا ہوں جو وہ لکھیں گے جواب میں

جبکہ مومن کا انداز یہ ہے۔

.کہتے ہیں تم کو ہوش نہیں اضطراب میں سارے گلے تمام ہوئے اک جواب میں

مومن کے مقابلے میں غالب کا شعر ایک گہرا نفسیاتی شعور رکھتا ہے۔ یعنی غالب قاصد کے واپس آنے سے پہلے ہی یہ سمجھ پاتا ہے کہ محبوب نے میرے خط میں کیا لکھا ہوگا۔اسی وجہ سے وہ ایک دوسرے خط کی تیاری کرنا چاہتا ہے۔

جبکہ مومن خان نے صرف تغزل پر اکتفا کر کے اسی مضمون کو گول کر کے پیش کیا ہے۔

اسی قافیے میں غالب اور مومن کے یہ دو اشعار پیش کئے جا رہے ہیں۔

؎ میں مضطرب ہوں وصل میں خوف رقیب سے ڈالا ہے تم کو وہم نے کس پیچ و تاب میں

(غالب)

؎ پھیلی شمیم یار مرے اشک سرخ سے دل کو غضب فشار ہوا اضطراب میں

(مومن)

ان دو شعروں کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ غالب کے شعر میں کئی پہلو ہیں اور ساتھ ساتھ بیان کی تہہ میں ایک خاص قسم کی شوخی کا اظہار بھی ہے اور اس پہ طرّہ یہ کہ ایہام نے اور لطف بھی پیدا کر دیا ہے۔جبکہ مومن اسی قافیے میں

طبع آزمائی کر کے اپنے آپکو غالب سے نہیں بڑھا سکے۔

غالب نے حسن معشوق کی دو خاص کیفیتوں کا ذکر اس شعر میں جس طرح کیا ہے۔اس کا ذکر غالب کے سوا کسی نے نہیں کیا۔شعر ہے

؎ لاکھوں لگاؤ ایک چرانا نگاہ کا لاکھوں بناؤ ایک بگڑنا عتاب میں

اسی انداز میں مومن نے بھی شعر کہا ہے۔اگر چہ مومن کا شعر انداز تغزّل کے لحاظ سے بُرا نہیں لیکن وہ غالب کے برابر نہیں پہنچے۔

؎ ہے منتوں کا وقت شکایت رہی رہی آئے تو ہیں منانے کو وہ پر عتاب میں

لیکن مومن کا ایک شعر ایسا بھی ہے جو غالب کے مضمون کے ساتھ یکساں قافیہ رکھتا ہے۔لیکن معنی آفرینی کے حسن سے آراستہ ہے

؎ کیا جلوہ یاد آئے کہ اپنی خبر نہیں بے بادہ مست ہوں میں شب ماہتاب میں

اگر چہ مومن کا یہ شعر غالب کے اس شعر

؎ غالب چھٹی شراب پر اب بھی کبھی کبھی پیتا ہوں روز ابر شب ماہتاب میں

کی برابری نہیں کر سکتا لیکن شب ماہ کو دیکھ کر خود بخود مست ہو جانا نہایت پاکیزہ مضمون آفرینی ہے۔

مومن نے صرف مستی اور شب ماہتاب کا ذکر کیا ہے جبکہ غالب نے شراب، روز ابر و اور شب ماہتاب کو یکجا کر کے پیش کیا ہے۔

اب ہم غالب کے ایک ایسے شعر کو لیتے ہیں جو ان کے ادبی کارناموں میں سے ایک زبردست کارنامہ ہے۔

یہ شعر تغزّل سے اگر چہ دور ہے لیکن حکیمانہ خیالات سے معمور ہے۔

؎ رو میں ہے رخش عمر کہاں دیکھئے تھمے نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں

جبکہ اسی مضمون کو مومن نے تغزّل کے رنگ میں رنگا ہے۔

؎ قاتل جفا سے باز نہ آیا وفا سے ہم خترا ک میں جو سر ہے تو پا ہے رکاب میں

''ہوتا ہے'' اس زمین میں بھی دونوں شعراء کی غزلیں موجود ہیں لیکن ہم ان کے صرف ایک ایک ہم قافیہ شعر کو لیتے ہیں غالب کہتے ہیں۔

؎ پُر ہوں میں شکوے سے یوں راگ سے جیسے باجا اک ذرا چھیڑیئے پھر دیکھئے کیا ہوتا ہے

اس شعر میں غالب کی تشبیہہ نے شعر کو بلند کر دیا ہے۔ جبکہ دوسرے مصرع کی بے تکلفی لائق تحسین ہے

مومن نہایت پر حسرت انداز اور حرماں نصیبی کے انداز میں یہ مضمون اسی طرح ادا کرتے ہیں؎

اک نظر دیکھنے سے سرتن سے جدا ہوتا ہے بے جگہ آنکھ لڑی دیکھئے کیا ہوتا ہے

مومن کا یہ شعر بے تکلفی کی خصوصیت کیوجہ سے غالب کے شعر کے مقابلے میں لایا جاسکتا ہے۔

غالب کے شعر کی صفائی کو دیکھئے۔ اس کی تشریح کی ضرورت نہیں۔ ؎

فلک نہ دور رکھ اُس سے مجھے کہ میں ہی نہیں دراز دستیٔ قاتل کے امتحان کیلئے

غالب کا مندرجہ بالا شعر بیت الغزل ہے۔ مومن صرف اس قافیہ میں کہنے پر ہی مطمئن نظر آتے ہیں حالانکہ مضمون آفرینی کا مقابلہ غالب سے نہیں کیا جاسکتا۔ مومن کا شعر ہے ؎

بھلا ہوا کہ وفا آزماستم سے ہوے ہمیں بھی دینی تھی جان اس کے امتحان کیلئے

غالب کا یہ شعر۔

؎ مثال یہ مری کوشش کی ہے کہ مرغ اسیر کرے قفس میں فراہم خس آشیاں کیلئے

ان کے بہترین شعروں میں سے ہے۔ یہ شعر حسرت واندوہ، حرماں وآرزو کی ایک مکمل تصویر ہے مگر اس شعر کے مقابلے میں مومن کا ایک ایسا شعر بھی ہے جو نہایت صاف اور سادہ ہے۔ اس شعر میں مومن نے اپنے اصلی رنگ کو چھوڑ کر فلسفیانہ انداز میں طبع آزمائی کی ہے۔ غالباً مومن کا یہ شعر غالب کے مندرجہ بالا شعر سے اس رنگ میں بہتر ہے۔ شعر ملاحظہ ہو۔

؎ کہاں وہ عیش اسیری کہاں وہ امن قفس ہے بیم برق بلا روز آشیاں کیلئے

اب ہم غالب اور مومن کے ان دو شعروں کو لیں گے جن پر ان دونوں شعراء کے حامیوں کو دعوٰی ہے کہ ہر ایک کا شعر اپنی اپنی جگہ پر نہایت عظیم ہے۔ غالب کا شعر ہے۔

؎ گدا سمجھ کے وہ چپ تھا مری جو شامت آئی اُٹھا اور اُٹھ کے قدم میں نے پاسباں کیلئے

یہ غالب کا وہ شعر ہے جس کی خوبی پر تمام شارحین غالب اور مولانا حالی رطب اللسّان ہیں اور اسمیں کوئی شبہ بھی نہیں کہ ایجاز و اختصار کے لحاظ سے یہ بیت الغزل کہا جاسکتا ہے۔ مومن نے بھی اسی قافیہ میں کافی جگر کاوی کی ہے اور اپنے رنگ پر قائم رہ کر کوشش کی ہے لیکن وہ غالب جیسی خوبی پیدا کرنے میں بُری طرح ناکام رہے۔

مومن کہتے ہیں۔

؎ ہے اعتماد مرے بخت خفتہ پر کیا کیا وگرنہ خواب کہاں چشم پاسباں کیلئے

غالب کا ایک بے مثل شعر یہ ہے۔

؎ نا کردہ گناہوں کی بھی حسرت کی ملے داد یارب اگر ان کردہ گناہوں کی سزا ہے

اس کے مقابلے میں مومن کا ایک شعر بھی از راہ موازنہ پیش کیا جا سکتا ہے ورنہ حقیقت میں اس کی غالب کے اس مندرجہ بالا شعر سے کوئی نسبت نہیں ہو سکتی۔ مومن کا شعر ہے۔

؎ آزردہ حرماں سے ملاقات نجھے کیا یعنی کہ نہ ملنا ہی نہ ملنے کی سزا ہے

ذاتی طور پر میں غالب اور مومن کے ان دو مندرجہ ذیل شعروں میں سے کسی ایک کو دوسرے پر فوقیت نہیں دے سکتا اور نہ ایک شعر کو دوسرے سے کم سمجھ سکتا ہوں۔

(غالب) بیگانگی خلق سے بیدل نہ ہو غالبؔ کوئی نہیں تیرا تو مری جان خدا ہے

(مومن) مومن نہ سہی بوسۂ پا، سجدہ کرینگے وہ بت ہے جو اوروں کا تو اپنا بھی خدا ہے

تاہم یہ ضرور کہونگا کہ اس شعر میں دونوں شعراء غزل کے آسمان میں ہم پایہ محو پرواز ہیں۔ رنج کی زیادتی کیوجہ سے انسان کا رنج سے خوگر ہونا ایک فطری امر ہے۔ غالب اور مومن دونوں نے اس سلسلے میں شعر کہتے ہیں دونوں کے شعر ملاحظہ ہوں۔

؎ منظور ہو تو وصل سے بہتر ستم نہیں اتنا رہا ہوں دور کہ ہجراں کا غم نہیں

(مومن)

؎ رنج سے خوگر ہوا انسان تو مٹ جاتا ہے رنج مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پر کہ آسان ہو گئیں

(غالب)

مندرجہ بالا اشعار کو دیکھ کر یہ محسوس ہوتا ہے کہ غالب نے نہایت اہم مسئلہ فلسفیانہ رنگ میں پیش کیا ہے جبکہ مومن خان نے اپنی پرانی روایت کو برقرار رکھ کر اس نکتے کو بھی تغزل کے ڈھانچے میں پیش کیا ہے۔

غالب کی رعنائی خیال ان اشعار میں خوب واضح ہے۔

؎ ہوس کو ہے نشاط کار کیا کیا نہ ہو مرنا تو جینے کا مزا کیا

؎ دیکھو تو دل فریبیٔ اندازِ نقش پا موج خرام یار بھی کیا گل کتر گئی

؎ ہے آدمی بجائے خود اِک محشر خیال ہم انجمن سمجھتے ہیں خلوت ہی کیوں نہ ہو

؎ بوئے گل نالۂ دل دودِ چراغ محفل جو تیری بزم سے نکلا سو پریشاں نکلا

؎ غم ہستی کا اسدؔ کس سے ہو جز مرگ علاج شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک

؎ نے گل نغمہ ہوں نہ پردۂ ساز میں ہوں اپنی شکست کی آواز

غالب کی اس رعنائی خیال کے بعد مومن خان مومن کا رنگ تغزل ملاحظہ ہو۔

؎ تم میرے پاس ہوتے ہو گویا جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

؎ کیوں کر اُمید وفا سے ہو تسلی دل کو فکر ہے یہ کہ وہ وعدہ سے پشیماں ہونگے

؎ کچھ قفس میں ان دنوں لگتا ہے جی آشیاں اپنا ہوا برباد کیا جائے

؎ میرے تغیر رنگ کو مت دیکھ تجھ کو اپنی نظر نہ ہو جائے

؎ ہم بھی کچھ خوش نہیں وفا کر کے تم نے اچھا کیا نباہ نہ کی

مندرجہ بالا اشعار کو دیکھ کر یہ محسوس ہوتا ہے کہ غالب ضائع بدائع کا متلاشی نہیں۔ وہ سخن پارس کی گرح نوائی کا شیدائی ہے اور حقیقت کو بے نقاب دیکھنے کا متمنّی۔ اُس نے اپنی ذات کی گہرائیوں سے نئے نقشے اُبھارنے اور اپنے خلوص کے بل بوئے پر اپنے جگر کے خون سے ان نقشوں میں رنگ بھرے۔

مندرجہ بالا اشعار کو دیکھ کر غالب کی مضمون بندی اور جدّت اظہار کا قائل ہونا پڑتا ہے۔

جب مومن کے مندرجہ بالا اشعار کو دیکھتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ ان میں حواس ہی کے مختلف پہلوؤں کی ترجمانی کیگئی ہے۔ اس صورت حال کا یہ نتیجہ ہے کہ مومن کی غزل میں، غالب کی غزلوں کی طرح ذہن نہیں ملتا۔ مومن کے ان اشعار میں شعور کی کارفرمائی زیادہ نظر نہیں آتی۔ فکری اور فلسفیانہ پہلو بھی ان کی شاعری میں نمایاں نہیں۔ مومن کی شاعری میں حیات و کائنات کے بنیادی و مابعد الطبیعاتی اور اخلاقی مسائل بھی نظر نہیں آتے۔

تاہم ان کی غزل فنی اور جمالیاتی اعتبار سے ایک امتیازی حیثیت رکھتی ہے۔ اُنہوں نے غزل کے بنیادی اصولوں کو اپنی غزل میں برتا ہے۔ اور ساتھ ہی ان اصولوں میں کچھ اضافے بھی کئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے غزل میں ایک نیا انداز ملتا ہے۔ مومن ان شاعروں میں سے ہیں جن کا کلام گہرائی اور گیرائی کے اعتبار سے غالب کے اردو کلام کا مد مقابل تک نہیں کہا جاسکتا۔ نیاز فتحپوری نے ایک جگہ لکھا ہے کہ غالب کے یہاں مومن کی سی وہ حقیقت نگاری نہیں جو سینے میں نشتر پر نشتر توڑتی چلی جاتی ہے اور غالباً اسی خیال کو حسرت موہانی نے ایک جگہ یوں

ظاہر کیا ہے کہ ''مومن کا کلام دردوتاثیر کے لحاظ سے غالب سے افضل ہے''۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس باب میں بھی مومن کو غالب سے برتر قرار دینا صحیح نہیں۔ غالب کے یہاں بھی ایسے اشعار خاصی تعداد میں ملتے ہیں جنکی تاب لانا ایک دردمند دل کیلئے آسان بات نہیں۔ یہ ضرور ہے کہ غالب کے کلام میں جو نشتریت پائی جاتی ہے وہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے مومن کے رنگ کے ساتھ یکساں نہیں۔ دوسرے لفظوں میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ مومن کے پُر درد اشعار میں رو پڑنے والا انداز نمایاں ہے اور غالب ناخن برجگر اشعار آہوں اور آنسوؤں کو پی جانے والی کیفیت کے حامل ہیں۔ اس کی خیال کی وضاحت کیلئے مومن و غالب کے چند ایسے اشعار ملاحظہ ہوں جن میں درد وتاثیر بدرجہ اتم موجود ہے۔

غالب	مومن
؎ ہوگئی ہے غیر کی شیریں بیانی کارگر	؎ کیا کہوں کیونکر رکوں ناصح رکا جاتا ہے دل
عشق کا اس کو گماں ہم بے زبانوں پر نہیں	پیش کیا چلتی ہے اس سے جس پر آجاتا ہے دل
؎ منحصر مرنے پہ ہو جس کی اُمید	؎ تڑپنے لوٹنے رونے کا باعث تجھ پہ بھی کھلتا
نا اُمیدی اُس کی دیکھا چاہئے	تیرے دل کو بھی میری سی اگر اے بے وفا لگتی
؎ نیند آس کی ہے دماغ اُس کا ہے راتیں اُس کی ہیں	دم بدم رونا ہمیں، چاروں طرف تکنا ہمیں
تیری زلفیں جس کے بازو پر پریشان ہوگئیں	یا کہیں عاشق ہوئے یا ہوگیا سودا ہمیں

مندرجہ بالا مثالوں سے مومن کا گریۂ بے اختیار اور غالب کا صبر وتمکین نمایاں ہے۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ مومن عشق کی آگ میں جل رہے ہیں اور رو رہے ہیں۔ غالب تپ رہے ہیں مگر جذبات کو حشر سامانیوں کو فریاد و فضا میں تبدیل نہیں ہونے دیتے۔ یہی وجہ ہے کہ بادی النظر میں مومن کے اشعار غالب سے زیادہ پر اثر معلوم ہوتے ہیں لیکن ذرا غور اگر ہم کریں تو پتہ چلتا ہے کہ غالب کے اشعار بھی انتہائی درد و کرب میں ڈوبے ہوئے ہیں۔

غالب کے بعض فلسفیانہ اشعار میں دل کے تاروں کو چھو لینے والی جو کیفیت پائی جاتی ہے وہ اوقات مومن کے تغزل میں بھی محسوس نہیں ہوتی۔ مثلاً ؎

(غالب) قید حیات و بند غم اصل میں دونوں ایک ہیں موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں

(مومن) چھٹ کر کہاں اسیر محبت کی زندگی ناصح یہ بند غم نہیں قید حیات ہے

مومن کی شاعری میں ناصح اور رقیب کا عمل دخل بہت زیادہ ہے یوں بھی اُردو شاعری میں ناصح اور رقیب کا

ذکر اتنی کثرت سے کیا گیا ہے کہ ان دونوں کا نام لیتے وقت ذہن میں صرف ایک روایت کا خیال آتا ہے اور بس اس مضمون میں مومن اور غالب کا علیٰحدہ علیٰحدہ رنگ واضح ہو۔

مومن کہتے ہیں۔

؎ اُس نقش پا کے سجدہ نے کیا کیا کیا کِیا ذلیل میں کوچۂ رقیب میں بھی سر کے بل گیا

غالب کہتے ہیں۔

؎ جانا پڑا رقیب کے در پر ہزار بار اے کاش جانتا نہ تیری رہگذر کو میں

دونوں شعروں سے دونوں کے مزاج اور طبیعتوں کا انداز ہوتا ہے۔ بہرحال مومن کے شعر میں احترام عشق کا جو عنصر پایا جاتا ہے اس کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کے شعر کو ترجیح دینا پڑتا ہے۔

اگر چہ غالب کے مقابلے میں مومن کے اسالیب پر پیچ اور آمیز تصنع ضرور ہیں لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ دیوان مومن میں ایسے اشعار بھی پائے جاتے ہیں جن میں سادگی اور بے ساختگی بدرجہ اتم موجود ہے۔ لیکن چونکہ ان کی تعداد نسبتاً بہت کم ہے اس لئے ان کو مومن کے مخصوص رنگ سے علیٰحدہ سمجھنا مناسب نہ ہوگا۔ اور اسی بناء پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ جہاں مومن نے تغزل کا حق ادا کر دیا ہے وہاں وہ اپنے انفرادی اسلوب کو قائم نہیں رکھ سکے۔ بہرحال بقول ڈاکٹر عبادت بریلوی'' غزل کی روایت سے مومن نے بہت استفادہ کیا ہے۔ اس روایت کے اثرات ان کے مزاج میں رچے ہوئے نظر آتے ہیں۔''[۵]

مومن کے مضامین و موضوعات میں زیادہ وسعت اور بلندی نہیں۔ وہ حسن و عشق پر خیال آرائی کرتے ہیں لیکن ان کی شاعری غالب کی طرح گہرائی اور فکری استعداد نہیں رکھتی۔

مومن کے ہاں لطیف، بے غرضانہ اور نیاز مندانہ جذبۂ محبت نہیں ملتا بلکہ لذّت پرستی کا رنگ غالب ہے اور وہ رویّہ کاروباری ہے۔

؎ معشوق سے بھی ہم نے نبھائی برابری واں لطف کم ہوا تو یہاں پیار کم ہوا

؎ ہیں اسیر اس کے جو ہے اپنا اسیر ہم نہ سمجھے صید کیا صیّاد کیا

مومن کے یہاں محبوب کے اجزائے حسن کی جو تعریف ہے وہ روایتی ہے زلفوں کی تعریف میں کہتے ہیں۔

؎ کس کی زلفوں کی بو نسیم میں تھی ہے بلا آج پیچ و تاب ہمیں

جبکہ غالب کا یہ انداز کتنا تاثر رکھتا ہے۔

؎ آہ کو چاہئے اِک عمر اثر ہونے تک کون جیتا ہے تری زلف کے سر ہونے تک

سرگیں آنکھوں کے بارے میں دونوں کا انداز ملاحظہ ہو۔

مومن کہتے ہیں۔

سرگیں چشم کی گردشِ جو نہ بھا جاتی تو خاک یوں کاہے کو ہم ڈال کے سر میں پھرتے

اب غالب کا کلام اس مضمون کو یوں ادا کرتا ہے اور خوب ادا کرتا ہے کہتے ہیں ؎

چشم خوباں خامُشی میں بھی نوا پرداز ہے سرمہ، تو کہدے کہ دردِ شعلہ آواز ہے

مومن کا شعر ملاحظہ ہو۔

؎ مزہ یہ شکوہ میں آیا کہ بے مزہ ہوئے وہ میں تلخ کام رہا لذّت زبان کیلئے

اس مضمون میں مومن کا یہ شعر کسی قدر بلند اور بامزہ ہے۔ مضمون کی شگفتگی کے ساتھ مزہ اور بے مزہ کا تفاوت ''تلخ کام' کا انتخاب اور 'لذّت زبان' کی ایجاد بھی قابل دید ہے۔ اگر چہ غالب کے یہاں یہ قافیہ مدحیہ قطعہ میں ہے لیکن رنگ غزل سے خالی نہیں اور اپنے لطف بیان سے قبول عام و بقائے دوام کا مالک ہے ؎

زباں پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا کہ میرے نطق نے بوسے مری زبان کیلئے

''جہاں کیلئے'' کے قافیے میں مومن کی وارفتگی ملاحظہ ہو۔ خوب کہا ہے۔

؎ جنون عشق ازل کیوں نہ خاک اُڑائیں کہ ہم جہاں میں آئے ہیں ویرانی جہاں کیلئے

اس قافیے میں غالب کی جو بات ہے وہ نرالی ہے، رشک کے عجیب عجیب مضمون لکھے ہیں کہ اکثر شاعروں کا تصوّر بھی وہاں تک نہ پہنچا۔ ان ہی عجائبات میں سے ایک عجوبۂ روزگار یہ بھی ہے۔

؎ رہا بلا میں بھی میں مبتلائے آفت رشک بلائے جاں ہے ادا تیری اک جہاں کیلئے

نتیجتاً ہم کہہ سکتے ہیں کہ مومن اور غالب کے یہاں نفس مضمون اور اصل تخیّل میں بلندی و باریکی پیدا ہوتی ہے۔

مومن اور غالب نے جو مضامین لکھے ہیں وہ خود بلند، نادر اور لطیف ہیں۔ مثلاً دوست کے بے حجاب ہونے سے اپنا شرمندہ ہونا جس طرح مومن خان نے بیان کیا ہے بہت نازک اور پُر لطف ہے یا غالب کے شعر میں سعی بے حاصل کی لذّت نا اُمیدی سے اس کے خاک میں مل جانے کا اندیشہ اور اندیشہ سے گھبرا کر کہنا ''بس ہجوم نا اُمیدی'' نہایت نادر اور عجیب ہے۔

لیکن ابھی مومن اور غالب کے رنگ پورے طور پر واضح نہیں ہوئے۔ان دونوں میں باوجود رفعت وندرت کی شرکت کے کچھ فرق بھی ہے یعنی مومن اپنے مضمون کا کچھ حصہ چھوڑ دیتے ہیں جس سے مضمون میں لطافت، ندرت اور حیرت کا اضافہ ہوجاتا ہے۔مثلاً مومن نے نالۂ بلبل کو سن دوست کے ہنسنے کی وجہ اور خندۂ گل پر اپنے افسوس کرنے کا سبب بیان نہیں کیا لیکن سننے والا آسانی سے دریافت کرسکتا ہے یہ مومن کا خاص رنگ ہے۔

؎ عذاب ایزدی جانکاہ ہے، مانا بس اے مومن خُدا کے واسطے ذکر ستم ہائے بتاں کیجئے

یعنی یہ عذاب ایزدی سے بھی جانکاہ ہے۔اس کے علاوہ مومن کے کلام میں عاشقانہ جوش و ولولہ اور رنگین بیانی غالب سے بہت زیادہ ہے جبکہ غالب کے یہاں رفعت تخیّل، ندرتِ مضمون، حسن معنی اور خوبی ادا اتنی اعلےٰ ہے کہ کوئی شاعر ولی دکنی کے دور سے موجودہ دور تک اس حد تک نہیں پہنچ سکا۔

لیکن عشق کی شیوا بیانی اور حسن کی رنگین نگاری جس قدر جوش اور شوق کے ساتھ مومن کے کلام میں ہے۔ غالب کے کلام میں نہیں ہے۔تاہم غالب کی یہ خصوصیت ہے کہ ان کا تمام کلام یا کم از کم ۹۵ فیصد حصہ ان کے مخصوص رنگ کا آئینہ ہے اور یہ بات مومن کو بھی نصیب نہیں ہے۔

تاہم میں یہ ضرور کہونگا کہ غالب شاعری کے لئے پیدا ہوئے تھے اور شاعری ان کے لئے، ان کے علوئے تخیّل کا یہ عالم ہے کہ ولؔی سے لیکر آج تک یہ بلندی کسی کو نصیب نہیں ہوئی۔اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مومن بھی شاعرانہ طبیعت اور عاشقانہ دل لائے تھے۔ان کی طبیعت میں ایک مزہ تھا اور سچ تو یہ ہے کہ لطافت تخیّل رفعت فکر اور جدّت بیان دوبارہ کے بعد مومن ہی کا درجہ ہے۔

آخر میں میں غالبؔ اور مومنؔ کے اعزاز میں ان ہی کا ایک ایک شعر پیش کرتا ہوں۔

غالب کے حضور مومن کی شان میں

؎ ہیں اور بھی دنیا میں سخنوز بہت اچھے سن رکھو سیکھ رکھو اس کو غزل کہتے ہیں

کہتے ہیں کہ غالب کا ہے انداز بیان اور مومن اے اہل فن اظہار ہنر کرتا ہے

خلاصہ کلام یہ ہے کہ میدان غزل میں دونوں کی شہسواری قابل داد ہے۔فلسفیانہ شاعری اور تصوف اور رندانہ شوخی مرزا غالب کا سرمایۂ کمال ہے۔تغزّل اور زبان کی حلاوت اور محاورہ بندی اور بے تکلفی میں مومن کا کمال فوقیت رکھتا ہے۔معنی آفرینی، نزاکت خیال، رشک، درد محبت اور سوز و گداز اور تاثیر کلام میں کچھ حد تک دونوں برابر ہیں۔بہرحال ممتاز حسین کی اس رائے پر اس مضمون کو ختم کیا جارہا ہے۔

'' حسنِ معنی کی جلوہ گری کے لئے فرق صرف روّیہ کا ہے جب کہ فن شاعر کی شخصیت کا اظہار محض ہوتا ہے۔ شاعر کی داخلیت اور جذبہ اہم ہو جاتا ہے خواہ وہ اس کی سچائی کو بے نقاب کرے یا نہ کرے''۔[۲]

حواشی

۱۔ نقدغالب، مختارالدین احمد، پروفیسر ۱۲۹۰الوقار پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۹۵ء

۲۔ تلامذہ غالب، ملک رام ص ۶ مرکزِتصنیف وتالیف نکودر، س۔ن

۳۔ غالب کچھ۔مضامین، خلیق انجم ص۱۱' انجمن ترقی اردو (ہند) نئی دہلی ۱۹۹۱ء

۴۔ مومن خالات زندگی اوران کے کلام پرتنقیدی نظر' کلب علی خان، فائق رائلپوری ص ۳۳۹ مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۶۱ء

۵۔ مومن اور مطالعہ مومن، عبادت بریلوی، ڈاکٹر ۳۹۰، اُردو دنیا کراچی۔لاہور نومبر ۱۹۶۱ء

۶۔ غالب ایک مطالعہ، ممتاز حسین، ص ۱۰۰ انجمن ترقی اُردو کراچی ۱۹۶۹ء